(غلام گردش)

بھانڈ

چند دہائیاں پہلے کی شادیوں کو یاد کیجئے۔شہروں اور دیہاتوں میں یہ تقریبات سادہ انداز میں سرانجام دی جاتی تھیں۔ ہر لحاظ سے ان میں تصنع کا پہلو بہت کم نظر آتا تھا۔ یہ لفظ اسلیے استعمال کیا ہے کہ گمان ہے کہ اب ہماری تمام زندگی جزوی یا مکمل تصنع پر مبنی ہے۔ ہر انسان وہ سب کچھ نظر آنا چاہتا ہے جو وہ دراصل ہے نہیں۔ جیسے خواتین عمر کے ہر حصے میں غیر قدرتی طریقوں سے بہت خوبصورت نظر آنا چاہتی ہیں۔انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ عمر رسیدہ ہونے یا نظر آنے میں ایک وقار موجود ہے۔ایک مکمل انڈسٹری وجود میں آ چکی ہے جو چہرے اور جسم پر پلاسٹک سرجری کے ذریعے عمر کے اثرات یعنی جھریوں کو ختم کرتی ہیں۔انکی فیس لاکھوں میں ہوتی ہے۔بغیر اس ادراک کے کہ انسانی چہرے پر جھریاں ایک معمول کی چیز ہیں۔وقت کے تھپیڑے، رنج، خوشیاں اسکی ہر لکیر میں بے پناہ توازن پیدا کرتی ہیں۔سرجری کے طوسط سے انہیں ختم کروانا عجیب جعلی سا کام ہے۔ بہر حال مرد حضرات بھی اس معاملے میں خواتین سے بالکل پیچھے نہیں۔عجیب مصنوعی سا دور ہے۔

بات، پرانی شادیوں کی ہو رہی تھی۔نکاح کے بعد منفرد طرز کے دو چار لوگ ٹینٹ میں آتے تھے۔انکو کوئی بھی مدعو نہیں کرتا تھا۔ سادہ سے کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ایک تھوڑا سنجیدہ نظر آتا تھا اور دوسرا چلبلا سا ہوتا تھا۔سنجیدہ آدمی کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا تھا۔ یہ مونہہ سے زور کی آواز نکالتا تھا تا کہ لوگ متوجہ ہو جائیں۔اسکے بعد، یہ شخص اونچی آواز سے سوال کرتا تھا۔دوسرا شخص انتہائی مزاحیہ طریقے سے جواب دیتا تھا۔اسکے بعد جواب دینے والے کی ہتھیلی پر زور سے چمڑا مارا جاتا تھا۔جواب اس درجہ برجستہ اور زعفرانی ہوتا تھا کہ سننے والے لوگ کھلکھلا کر ہنسنا شروع کر دیتے تھے۔سوال و جواب کا یہ سلسلہ پانچ دس منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔سب کچھ، اس قدر مزاحیہ ہوتا تھا کہ لوگ بے ساختہ قہقہے لگانے شروع کر دیتے تھے۔گھر کے چند سنجیدہ بزرگ، جعلی طریقے سے شدید سنجیدہ نظر آنے کی کوشش کرتے تھے۔انکی پیشانی پر تہہ دار تیوریاں مزید بڑھ جاتی تھیں۔تھوڑی دیر بعد، محفل میں سے کوئی آدمی اُٹھتا تھا۔ ہنسانے والی ٹولی کو پیسے دیتا تھا اور پھر یہ لوگ واپس چلے جاتے تھے۔انکے پیسے لینے اور شکریہ ادا کرنے کا انداز بھی حد درجہ منفرد ہوتا تھا۔ یہ آدمی کا نام لیکر شکریہ ادا کرتے تھے۔آج سے چالیس پچاس برس پہلے کی شادیوں میں اس طرح کے واقعات بالکل عام تھے۔مزاح سے بھرپور جملوں میں اکثر انتہائی اہم بلکہ اہم ترین نکات بھی ہوتے تھے۔غیر سنجیدہ طریقے سے، انتہائی سنجیدہ معاملات کو اس طریقے سے بیان کیا جاتا تھا کہ لوگ اندر سے خوش ہو جاتے تھے۔جیسے جنرل ضیاء الحق شادی کی ایک تقریب میں شامل تھے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹر تھے۔سیاسی مخالفین کو ریزہ ریزہ کر چکے تھے۔اس وقت اقتدار اور طاقت کے کوہ طور پر براجمان تھے۔انہوں نے ایک مکمل مسلمان ملک کو کرختگی کے ساتھ مزید مسلمان ملک بنانے کے حد درجہ اقدامات کیے تھے۔سختی کی بدولت پاکستان کی فلم انڈسٹری دم توڑ چکی تھی۔ٹی وی پر نیوز کاسٹر اور اداکارائیں ممکنہ حد تک دوپٹہ لینے کی پابند تھیں۔اسی تقریب میں دو بندوں کی ایک ٹولی آئی اور جنرل ضیاء الحق کے سامنے مزاحیہ انداز میں سوال و جواب شروع کر دیے۔فلموں کی زبوں حالی کا اس انداز سے ذکر کیا کہ ضیاء الحق نے قہقہے لگانے شروع

کردیے۔صدر نے اپنے سٹاف کو اشارے سے بلایا اور ایک خطیر رقم بطور تحفہ یا بخشیش ان لوگوں کو پیش کردی۔شادیوں بیاہوں میں مسکراہٹ بکھیرنے والے ان لوگوں کو ''بھانڈ'' کہا جاتا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اس موضوع پر مزید لکھوں۔عرض کرنا چاہونگا۔یہ لوگ یعنی ''بھانڈ'' ملک کے تمام بڑے خاندانوں کا شجرہ ترتیب کرتے تھے۔یہ انعام لینے کے بعد اس شخص کے دادا، پردادا اور گوت اور ذات سے شروع ہوتے تھے اور پھر آخر میں پیسے دینے والے شخص کا نام لیتے تھے۔دراصل یہ ہمارے معاشرے کی اپنے انداز میں منفرد عکاسی کرتے تھے۔آپ کسی کا بھی نام لیتے تھے تو یہ اسکا شجرہ نصب سامنے رکھ دیتے تھے۔جدِ امجد تک کے نام انکو ازبر ہوتے تھے۔شادی میں آنے سے پہلے، شائد سب کچھ یاد کر کے آتے تھے یا شادی کی تقریب کی مناسبت سے شجرے ذہن میں رکھتے تھے۔اب نہ تو اکثر خاندانوں میں شجرہ کا کوئی حساب کتاب رہا ہے۔نہ ہی فی زمانہ لوگ، اس طرح کی مناسب جزئیات کا خیال کرتے ہیں۔ذات برادری کی ترویج کی عرض نہیں کر رہا۔مگر بہر حال اسی خاندایت کے مثبت پہلو بھی ہیں۔ان بھانڈوں کا حافظہ اس درجہ کمال کا ہوتا تھا کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔مگر اس سماج میں ان لوگوں کی کسی قسم کی کوئی عزت نہیں تھی۔شائد اب بھی نہیں ہے۔لوگ، بھانڈ کو ادنیٰ ترین درجہ پر رکھتے تھے۔انکا شمار معاشرے کے پست ترین طبقہ میں ہوتا تھا۔لوگ انکی باتوں پر کھلکھلا کر ہنستے تھے۔مگر انکی کسی قسم کی قدر نہیں ہوتی تھی۔ویسے ہمارے سماج میں کس کی عزت ہے اور کس کی نہیں ہے اس پر جتنا کم تبصرہ کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔

ڈاکٹر کلیر پیمنٹ (Dr.Claire Pamment) نے اس سماجی تفریق اور بھانڈ یا نقالوں کی پاکستان کے حالات میں ایک نایاب کتاب لکھی ہے۔عجیب بات لگتی ہے کہ معاشرے پر لکھنے کیلئے ہمارے پاس مقامی قابل محقق موجود نہیں ہے۔ڈاکٹر کلیر کی کتاب کا نام Comic Performance in Pakistan: the Bhand ہے۔یہ 2017 میں شائع کی گئی۔ڈاکٹر کلیر پاکستان میں کنیڈا کالج اور ناپا میں درس وتدریس کام تقریباً دس برس کرتی رہی ہیں۔آج کل امریکہ کے ولیم اینڈ میری کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔انکے ڈیپارٹمنٹ کا نام ہی ''ڈیپارٹمنٹ آف تھیٹر'' ہے۔پروفیسر پیمنٹ کی یہ کتاب حد درجہ سنجیدہ کام ہے۔موضوع کے اعتبار سے بھی اور تجزیے کے رخ سے بھی۔انکے بقول بھانڈ ایک مکمل شعبہ تھا۔جسکی جڑیں پاک وہند میں برہمن راج میں موجود تھیں۔ہندو برہمن طبقے میں بھی یہ نقال موجود تھے۔جیسے تینالی رام اور دوسرے حضرات۔مگر یہ لوگ صرف اور صرف، راجہ مہاراجاؤں اور بادشاہوں کے درباروں تک محدود تھے۔عوام سے انکا کوئی تعلق نہیں تھا۔پھر اس شعبہ میں ایک جوہری تبدیلی آئی۔انتہائی پڑھے لکھے، سنجیدہ اور طاقتور طبقے کے اندر کچھ لوگوں نے ''جملہ بازی'' کے ذریعے خوفناک حقائق بیان کرنے شروع کردیے۔یہ لوگ آج بھی ہمارے ذہن میں کسی نہ کسی رخ سے موجود ہیں۔جیسے راجہ بیربل، بہلول اور ملا نصیر الدین۔یہ عظیم درباروں سے منسلک انتہائی سمجھدار لوگ تھے۔عہدے کے لحاظ سے وزیر تھے۔مگر انکی باتوں میں طنز ومزاح کا وہ جوہر موجود تھا، جس سے بادشاہ اور امراء لطف اُٹھایا کرتے تھے۔پروفیسر کلیر کے نزدیک یہ کوئی عام بات نہیں تھی۔کیونکہ یہ ذہین ترین لوگ، معاشرے کی گھٹی ہوئی روایات کا مذاق اُڑاتے تھے۔سماج کو اسکے اصلی رنگ میں پیش کرنے کی جرات کرتے تھے۔یہ بذاتِ خود انتہائی مشکل، نازک اور متنازع کردار بن جاتے تھے۔پروفیسر کے

نزدیک تو بھانڈ، ایک انتہائی موثر نقاد، صوفی، شیطان، عقلمند آدمی ہوتا ہے جو کہ بیوقوف نظر آنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ اسکی باتوں کی کاٹ سے معاشرے کا کوئی طبقہ بچ نہیں سکتا تھا۔ جملہ بازی لامحدود ہوتی تھی اور ہے۔ معاشرے کی طبقاتی منافقت، اصل اور دہرے رویوں پر بھرپور وار کرتا تھا۔ لگتا یہی تھا کہ بھانڈ مزاحیہ بات کر رہا ہے۔ مگر دراصل وہ بات حد درجہ سنجیدہ ہوتی ہے۔ مگر ادائیگی اس شگفتہ انداز سے کی جاتی ہے کہ کمال ہو جاتا ہے۔ لوگ بے اختیار ہو کر ہنسنا شروع کر دیتے تھے اور ہیں۔ پروفیسر کے نزدیک، یہ صدیوں پرانی روایت اب پاکستان میں مختلف طریقوں سے انداز بدل بدل کر سامنے آ رہی ہے۔

ہاں ایک انتہائی اہم بات۔ اسد عباسی نے بھانڈوں کے متعلق پروفیسر پیمنٹ کی کتاب پر فکر انگیز بات کی ہے۔ انکا کہنا ہے کہ تصنیف پاکستان میں ذات برادری، طبقاتی جبر، خواتین کے حقوق کی پامالی، مردوں کا مکمل حاکمانہ رویہ پر ایک غیر متعصب تجزیہ ہے۔ اس میں بھانڈوں کی ہمت، جدوجہد اور زندہ رہنے کی کمال اہلیت کی تعریف کی گئی ہے۔ اسد عباسی نے پروفیسر کے اس کام کو سولہویں صدی کے اٹالین محقق کارلو گنز برگ (Garlo Ginzburg) کی مایہ ناز کتاب Cheese and Worms سے موازنہ کیا ہے۔ گنز برگ کی یہ کتاب سولہویں صدی کے معاشرتی رویوں پر ایک بے دردانہ تحقیق تھی۔ مائکرو ہسٹری کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ بہرحال ان دونوں کتابوں میں مقامی ملکوں کے سماجی انداز کو برہنہ کر کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔

آپ موجودہ صورتحال کو دیکھیں تو بھانڈ، شادیوں بیاہوں کی تقاریب سے نکل کر سٹیج ڈراموں پر آئے۔ پھر ٹی وی کے مختلف پروگراموں کے ذریعے ہر گھر میں پہنچ گئے۔ لوگ آج بھی، انکی باتوں پر کھل کر ہنستے ہیں۔ انکے ویڈیو کلپ ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں۔ جملہ بازی سے لطف اُٹھاتے ہیں۔ مگر جس طرح آج سے صدیوں پہلے اس طبقے کی عزت نہیں تھی۔ آج بھی ہمارے رویے بالکل ویسے ہی ہیں۔ مگر ایک بات ضرور سوچیے۔ یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ اداکاری کر کے ہنساتے ہیں۔ یہ بھانڈ کہنے پر ناراض بھی نہیں ہوتے۔ مگر قومی سطح کے موجودہ قائدین کو اسی تناظر میں دیکھیے۔ یہ تمام لوگ عوام کی خدمت کی وہ مزاحیہ اداکاری کرتے ہیں کہ انسان صرف سر پیٹ سکتا ہے۔ یہ اتنے طاقتور ہیں کہ یہ مسکراتے مسکراتے کسی کو بھی برباد کر سکتے ہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ آپ انہیں کچھ کہنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ کیا یہ واقعی ''اصلی بھانڈ'' نہیں ہیں؟

راؤ منظر حیات